Fikr-o-Nasar (Islamabad) 6:10 (1969)

ضیاء گوکلپ اور ترک قومیّت کی تشکیل

پروفیسر نیازی برکس

ضیاء گوکلپ ایک چھوٹے سے شہر کا نوجوان طالب علم تھا۔ وہ عینیت کا قائل اور گہرے وطن پرستانہ جذبات سے سرشار تھا۔ اسے نہ تو استنبول کے ترک عالموں سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا اور نہ ہی پان تورانی خیالات کے حامل اشخاص سے۔ جب وہ ۱۸۹۶ء میں دیار بکر سے استنبول آیا تو وہاں عثمانیت، پان اسلام ازم اور پان ترک ازم جیسے نظریات تعلیم یافتہ طبقہ میں موضوعِ بحث بنے ہوئے تھے۔ گوکلپ کی شاعری میں نامق کمال جیسے تخیل پرست اور اسلام پسند اور توفیق فکرت جیسے مغرب پرست اور انسان دوست صوفی کے اثرات اس کی علامت ہیں کہ وہ مذکورہ تینوں رجحانات سے متعلق تذبذب میں مبتلا تھا۔ اس کے مزاج، اس کی تعلیم اور دیار بکر کی قصباتی فضا نے تصوّف، دینیات اور سائنس تینوں سمتوں میں اس کے خیالات کے لئے نئی جولانگاہیں فراہم کیں۔ ان تینوں کی بظاہر آویزش نے اُسے برسوں الجھاوے میں رکھا، لیکن رفتہ رفتہ عقلیت اُس کے یہاں اُجاگر ہوتی گئی۔ اور یہی عقلیت ترک تہذیب، اسلام اور جدید تمدن سے متعلق اس کے افکار کا طرۂ امتیاز ہے۔

دستوری انقلاب (۱۹۰۸ء) کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ضیاء گوکلپ بڑی تیزی سے مشہور ہُوا۔ اس وقت وہ سالونیکا میں تھا۔ جہاں ۱۹۰۸ء سے پہلے اس کا تعلق انجمن اتحاد و ترقی سے ہوگیا تھا۔ اس انجمن سے وابستہ ذہین نوجوانوں کا وہ طبقہ تھا جو نئی زندگی کا مشتاق تھا، مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ نئی زندگی کیسی ہوگی وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور اس کی عملی تعبیر کیسی ہوگی۔ یہ ایسا وقت تھا جب ترکی کو نہ صرف یہ کہ معاشی دیوالیہ پن، استبداد اور فساد و انتشار سے نکلنے کے لئے بے انتہا جدوجہد کرنی پڑ رہی تھی، بلکہ اخلاقی اور عقلی انتشار سے نجات حاصل کرنے کی فکر تھی۔ ترکی کے دانش ور ترکی کی تعمیرِ نو چاہتے تھے۔ اور ایک طرح کی شدید حب الوطنی جو غیر مسلم اور غیر ترک جماعتوں کی قوم پرستی کی تحریکوں کا ردِ عمل تھی، انہیں اس تعمیرِ نو کے لئے بے چین کئے ہوئے تھی۔

ضیاء کی بصیرت نے یہ سمجھ لیا تھا کہ محض سیاسی تبدیلی سے کوئی فائدہ نہ ہوگا، جب تک اس کی اساس سماجی اور تہذیبی انقلاب پر نہ ہو۔ لیکن ترکی کے دانش وروں، خاص طور سے سیاست دانوں کو وقت

کے ہنگاموں میں اس کا اتنا احساس نہ تھا۔ جو لوگ قدامت پرست تھے، انقلاب کے بعد انہوں نے جرأت سے شریعتِ اسلامی کی جانب رجوع کرنے پر زور دیا۔ دوسرا طبقہ آزاد خیالوں کا تھا، جو مغربی تہذیب و تمدن کو جوں کا توں اپنانے پر تُلے ہوئے تھے۔ ترکیت کے علم بردار ترکوں کے نسلی اتحاد کا نعرہ لگا رہے تھے اور ترکوں کی اسلامی دَور کی تاریخ سے قبل کے زمانے کی طرف لوٹ جانے کی تبلیغ کر رہے تھے۔ وہ پورے طور پر رومانیت میں ڈوبے ہوئے تھے۔

ضیاء گوکلپ کو ہر تصوّر میں کچھ نہ کچھ سچائی نظر آئی، لیکن وہ کسی ایک تصور سے مکمل طور پر متفق نہیں ہوا۔ اس نے کسی قدر نامق کمال کے نقطۂ نظر کی پیروی کی۔ یعنی مغرب کے محض مادی تمدن کو اپنانا اور اس کے غیر مادی پہلوؤں کو نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ لیکن نامق کو اس عقیدہ کی خاطر بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑی تھی۔ کیونکہ وہ جدید تمدن کے تقاضوں اور ترکی کے روایاتی اداروں کے باہمی تضاد کو پورے طور پر سمجھ نہیں سکا تھا۔ بہر حال ضیاء گوکلپ نامق اور دوسرے تنظیماتی مفکرین کی طرح مجرد عقلیت پرستی کا پرستار نہیں تھا۔ یہ عقلیت مغرب کی اٹھارہویں صدی کے عقلیت پرستوں سے مستعار لی گئی تھی اور جو آگے چل کر انیسویں صدی کے رومانی فکر سے متاثر ہو گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اسلام پسندوں اور مغرب پرستوں دونوں کے نظریات کی بنیاد انفرادی تعقل پر ہے۔ اور فرد کا تعقل سماجی تشکیلِ نو کے لئے معیار نہیں بن سکتا۔ کیونکہ وہ یا تو قدامت کی طرف لے جائے گا یا پھر تصوریت کی تبلیغ کرے گا۔ اس طرح دونوں صورتوں میں حقائق سے چشم پوشی ہوگی۔ سماج کی جدید تعمیر کا کام افراد کے تعقل کے بجائے سماجی تعقل سے شروع ہوگا۔ ایک مردہ ادارہ کو نہ تو کوئی شخص اپنی خواہش کی بنا پر زندہ ہی کر سکتا ہے اور نہ اس کے اندر یورپ کی نقالی کر کے زندگی کی رُوح پھونک سکتا ہے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ عوام یا قوم ہی اس بات کا آخری اور صحیح معیار ہے کہ کون سی چیز پسندیدہ ہے اور کون سی ناپسندیدہ۔ کس چیز کو قبول کرنا چاہیئے اور کسے ترک۔ عوام کا اجتماعی ضمیر جس چیز کو قبول کر لے، وہ معیاری اور مثالی ہے، اور جسے رد کر دے وہ غیر معیاری۔

ضیاء نے اس بات پر زور دیا کہ وقت کی اہم اور فوری ضرورت یہ ہے کہ ترک بحیثیت قوم بیدار ہوں اور اپنے آپ کو جدید تمدن کے احوال و عوامل سے ہم آہنگ کریں۔ اس طرح اُس نے ہین ترکیت کے سیاسی فکر کو ایک تہذیبی شکل دی۔ چونکہ عمرانیات پر اس کا عقیدہ ایک ثبوتی فلسفہ کی حیثیت سے تھا، اِس لئے اس کا خیال تھا کہ اِس علم کی مدد سے پہلے یہ فیصلہ کیا جائے کہ ترک قوم پہلے ہی سے کس چیز کی مالک اور کس چیز سے محروم ہے۔

گوکلپ نے اس مسئلہ کی چھان بین اس حقیقت کے اعتراف سے شروع کی کہ ترکی تہذیبی اعتبار سے مریض ہے۔ اس کی یہ تشخیص تھی کہ ترکی کے سماج کے ہر شعبہ میں ثنویت پیدا ہو چکی ہے۔ ایک طرف تو عوام اپنے حقیقی اور غیر رسمی اداروں، اپنے مذہب، اپنے فن اور اپنے فکر کے ساتھ وابستگی رکھتے تھے۔ اور دوسری طرف سرکاری تنظیم اپنے رسمی اور مصنوعی اداروں کے ساتھ تھی، جنھیں اس نے کلیتہً مغربی اور مشرقی تمدن سے مستعار لیا تھا۔ اس کا قانون، اس کا درباری ادب، اس کی ناقابل فہم زبان اور فرانسیسی تمدن کی سطحی نقالیاں، سب کی سب اس کے ساتھ تھیں اور ان میں سے کسی کا تعلق ترک عوام کی زبان و تہذیب سے نہ تھا۔ اس لئے نہ صرف یہ کہ دونوں ایک دوسرے سے اجنبی رہے بلکہ ان میں بُعد المشرقین پیدا ہوتا گیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ گوکلپ کی رائے میں اس غیر فطری حالت کی وجہ سماجی زندگی کے دو ضروری اور ممتاز پہلوؤں یعنی تہذیب اور تمدن کے درمیان تطبیق کی کمی تھی۔ تہذیب اور تمدن کے مباحث کی اس کے نزدیک بڑی اہمیت تھی۔ اگرچہ ان مباحث نے گوکلپ کے نقادوں کو اس اُلجھن میں مبتلا کر دیا کہ دونوں چیزوں یعنی تہذیب اور تمدن کے درمیان امتیاز کی حد کہاں ہے۔ لیکن اگر اس کے تجزیوں کو بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو یہ دونوں تصورات متناقض اور ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ نہیں۔ بلکہ وہ سماجی حقیقت کے دو ایسے اوصاف ظاہر کرتے ہیں جو ایک دوسرے کی تکمیل میں تعاون کرتے اور گہرا ربط رکھتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ تمدن عمل کے اس طور طریقے کو کہتے ہیں، جو ایسی روایات سے مرکب ہوتا ہے، جن کو مختلف نسلی جماعتوں نے پیدا کیا اور ایک دوسرے تک منتقل کیا۔ دوسری طرف تہذیب ایک مخصوص قوم کے "MORES" سے مرکب ہے، لہٰذا ممتاز بھی ہے۔ روایات طرزِ عمل کی ایسی عقلی ہیئتیں ہیں، جسے افراد کے مشترک تمدن نے ان پر عائد کیا ہو۔ مگر "MORES" کسی قوم کی روح اور مخصوص مزاج کو ظاہر کرتے ہیں۔ تہذیب ایک نظام کو تشکیل دیتی ہے، جس کے عناصر مخصوص منطقی بنیاد پر کلی ربط باہمی رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس تمدن کا اس قسم کی کسی منطق سے تعلق نہیں ہوتا۔ تمدنی عناصر انسانوں کی زندگی میں اس وقت بامعنی اور باعمل ہوتے ہیں، جب ان سے تہذیب کی خدمت ہوتی ہے۔ تمدن بغیر تہذیبی بنیاد کے محض مشینی نقالی بن کر رہ جاتا ہے۔ وہ نہ تو کبھی انسانوں کی زندگی کی گہرائیوں میں سرایت کرتا اور نہ کبھی بارآور ہوتا ہے۔ بالکل یہی سانحہ ترکی کو پیش آیا اور غالباً دوسری مسلم اقوام کو بھی جہاں تمدن ایک کھوکھلا ڈھانچہ ہو کر رہ گیا تھا اور سماجی جسم کے تمام تہذیبی گوشت و خون کو دیمک لگ گیا تھا۔ چنانچہ جب مغرب کا نیا تمدن سامنے آیا تو یہ بے جان ڈھانچہ اپنی تمام معنویت اور تخلیقی صلاحیت کھو بیٹھا۔

مغربی تمدّن کے اثر کے ساتھ اس صورتِ حال نے سوچنے والوں کے دماغوں کو سہ گونہ دشواری میں مبتلا کر دیا۔ مگر بنیادی طور پر مسئلہ یہی تھا یعنی تہذیب و تمدن کی دوئی کا۔

گوکلپ کے خیال میں اس دشواری کا حل بنیادی سماجی وحدت کی دریافت میں ہے، وہ وحدت جس سے تہذیبی اقدار کا سرچشمہ پھوٹتا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق وہ سرچشمہ سوسائٹی کا پیکر ہے، جس کو وہ قوم کا نام دیتا ہے۔ مزید برآں اس کو یقین تھا کہ قوم وہ آزاد سماجی اکائی ہے، جس کی بنیاد جدید مغربی تمدّن پر ہے۔ دوسرے لفظوں میں جدید مغربی تمدّن کثیر انسانی جماعتوں کا بین الاقوامی عمل ہے۔ یہ انسانی جماعتیں سماجی ارتقار کے مراحل سے گزر کر قومیت کی منزل تک پہنچتی ہیں۔ اس وقت ترکی اضطراب کے دَور میں تھا، کیونکہ تبدیلی سے گزر رہا تھا۔ یہ تبدیلی دینی تمدن سے ایسے تمدن کی جانب ہو رہی تھی، جس کی بنیاد جدید قومیت کے تصوّر پر تھی اور جس کی پوری ماہیت اب تک نامعلوم تھی۔ ان نکات کو ثابت کرنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ قوم کی عمرانی حقیقت کو سماجی ارتقار کی اصطلاح سے متعین کرے۔ اس کی تاریخی تشکیل کا سراغ لگائے۔ اس کے عناصر کا تجزیہ کرے اور بالآخر تہذیبی تنقید کا ایک اُصول اس نظریئے سے اخذ کرے تاکہ عدم مطابقت کے اسباب اور اُسے دُور کرنے کے ذرائع معلوم ہوں۔

ضیار گوکلپ کے افکار کا محور ترک قوم تھی۔ 'ملّت' کا لفظ جو اب قوم کے معنی میں مستعمل ہے، اس وقت سیدھے سادے مذہبی برادری کے مفہوم میں استعمال ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ نامق کمال جس نے پہلی بار ترک عوام کے قومی شعور کو بیدار کیا، وہ بھی اپنے مثالی اسلامی معاشرے کے تصوّر میں جدید تمدن کے خاکے میں غیر حقیقی تصور پوری طرح نہ سمجھ سکا۔ گوکلپ نے عمرانیات کے اصولوں کے سہارے پہلی بار اس کی نئی تعریف پیش کی۔ اس نے قومیت کے مذہبی تصوّر کی دھجیاں اُڑانے میں اپنی پوری قوت صرف کر دی۔ اس کی زندگی کا یہ مشن تھا کہ عام ترکوں پر یہ واضح کر دے کہ "عثمانی قوم" دو عمرانی حقیقتوں کا ملغوبہ ہے۔ پہلی حقیقت اُمت کا وہ مفہوم ہے جو بین الاقوامی مذہبی برادری سے عبارت ہے اور دوسری حقیقت وہ سیاسی نظام جو متعدد مذہبی برادریوں اور قومیتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ گوکلپ نے اس حقیقت کی جانب اشارہ کیا کہ مغربیت اور پان ترکیت کے فروغ کے ساتھ قوم کو دوسرے دو مزید تصورات سے ملا دیا گیا ہے اور یہ ہیں نسل اور بین الاقوامی تمدن کے تصورات۔ قوم کی شناخت ان میں سے کسی تصور کے وسیلے سے نہیں کی جا سکتی۔

ضیا گوکلپ کا خیال ہے کہ سماجی عمل کا مشاہدہ محض قوموں کے تاریخی ارتقار کے اندر ممکن ہے، جو تاریخ کے مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی جدید مغربی تمدّن تک پہنچی ہیں۔ اس ارتقائی عمل کے دوران ہر سوسائٹی اپنی ایک مخصوص تہذیب کو نشوونما دیتی ہے۔ انسانی سماج کی ارتقائی رفتار مسلسل نہیں ہوتی ہے۔ اس کو متعدد انواع میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک ہی نوع کے سماجوں میں باہمی مشابہت، حقیقی رابطہ اور باہمی اعتماد، سماج کے اندر ذیلی سماج (حلقہائے تمدّن) کی تشکیل میں ممد ہوتے ہیں، لیکن گوکلپ کے نزدیک وہ سماج کی برادریاں ہوتی ہیں۔ عمرانی نقطۂ نظر سے روابط رہتے ہیں کیونکہ ان میں تہذیبی اقدار کے مشترک بندھن نہیں ہوتے، محض تمدّنی اتحاد کے رشتے ان کو ملائے رکھتے ہیں۔ حالانکہ اس کے برخلاف، سوسائٹی یا قومیں زندگی کے مخصوص رُخ اور ممتاز خلقی ارتقار کی حامل ہوتی ہیں۔

جدید قوم اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل نئے طرز کی ہے۔ قوم کی تشکیل میں بنیادی عنصر نہ تو نسل ہے، نہ نسلی اتحاد، نہ دوسری قوموں کے ساتھ سیاسی یا مذہبی بنیاد پر بین الاقوامیت کا تصوّر اور نہ کسی تمدّنی حلقہ کے اندر لبقائے باہم کا خیال۔ جدید قوم ایک طرف تو تہذیبی اقدار کی عجیب پیچیدہ خصوصیات کی حامل برادری ہے اور دوسری طرف ایسا سماج جو خلقی احساس وعمل کے اتحاد، محنت کی تقسیم اور باضابطہ تقسیم کار پر مبنی ہے۔ نسلی افتراق پر مبنی معاشرے جو جدید اقوام کے روپ میں نمایاں ہوئے ہیں، وہ ایک طرح کے بین الاقوامی سیاسی مذہبی تمدّنوں کے تحت دَورِ اسیری سے گزر رہے ہیں۔ اور جب ان تمدنوں میں انتشار پیدا ہوا تو اس کے نتیجہ میں بالکل ایک نئی صورت کے ساتھ منظرِ عام پر آتے ہیں۔ ان پر لادینیت اور جمہوریت کے ارتقائی عمل کی چھاپ بھی ہے۔ قومیں یوں ہی وجود میں نہیں آتیں۔ قوموں کے لئے نسلی بنیاد ضروری ہے۔ انقلاب و تغیّر کے تیز سیلاب سے گزرنا لازمی ہے۔ اور ان کے لئے عظیم واقعات کے تحت قومی شعور کی تجدید کا تجربہ بھی اہمیت رکھتا ہے۔ اگرچہ قومیں نشاۃِ ثانیہ کے وقت اپنے نسلی ماضی کی طرف دیکھتی ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ وہ اسی نسل کا سلسلہ ہیں، مگر زیادہ دنوں تک ایک ہی نسلی اکائی نہیں رہتی اور نہ وہ فرسودہ احوال کی جانب لوٹ سکتی ہے۔ ایک جدید قوم اپنے دینی یا شاہانہ تمدّن کے ناخوشگوار نشہ کو زیادہ دنوں تک باقی نہیں رکھ سکتی۔ آج قوم متعدد نسلی اور مذہبی عناصر کی ایک ہیئت ترکیبی ہے، جنہیں تاریخ کے عمل نے باہمدگر مربوط کر دیا ہے۔ قوم کی اس نئی شکل میں قبائلی یا دینی تمدن کے عناصر کا ناخوشگوار نشہ اب مریضانہ کیفیت اختیار کر گیا ہے۔ اس کے صرف وہ حصّے نارمل ہیں، جو تہذیبی ہیں۔ یہی حصّے زندہ ہیں اور قومی زندگی کو صحیح رُخ پر ڈال سکتے ہیں۔

ضیا گوکلپ قوم کو ایک تہذیبی اکائی مانتا ہے۔ لیکن وہ اس دشواری کا احساس بھی رکھتا ہے، جب قومیں ایک تمدن سے نکل کر دوسرے تمدن میں داخل ہوتی ہیں۔ ترکی کے سامنے اس وقت یہی مسئلہ تھا۔ جدید تمدن کی حامل قوموں کا تہذیبی ورثہ ترک قوم کے تہذیبی ورثے سے بالکل مختلف تھا۔ اس لئے ترکی کا مسئلہ اور بھی پیچیدہ تھا۔ ترک نہ تو ترکیت سے دست بردار ہو سکتے تھے کہ یہی ان کے اتحاد کا بنیادی پتھر تھا۔ وہ اپنے مذہب کو بھی نہیں چھوڑ سکتے تھے کیونکہ وہ ان کی تہذیب میں رچ بس گیا تھا۔ ترکی کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ اپنی تہذیب کے ان دو بنیادی عناصر کو مغربی تمدن سے کس طرح ہم آہنگ کرے۔ گوکلپ اسی مسئلہ کو حل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے اس نے عمرانیات کی ایک شاخ کا خاکہ مرتب کیا جس کو ہم تہذیبی عمرانیات کہہ سکتے ہیں۔ تہذیبی عمرانیات کے اصولوں کو منطبق کر کے وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ تینوں عناصر جنہیں تین مختلف نظریات کے نمائندے پیش کرتے ہیں، درحقیقت ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہیں۔ اور قومی سماجی زندگی کے اُن پہلوؤں کو جن کی ترجمانی ان سے ہوتی ہے، صحیح زاویۂ نگاہ سے دیکھنے پر یہ حقیقت عیاں ہو گی کہ اُن سے جدید قوم کے ڈھانچہ میں ایک دوسرے کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس کے خیال میں اسلامی فکر کے نمائندے اس لئے غلطی پر تھے کہ انہوں نے قوم کی اس حقیقت کو نہیں سمجھا، جو دینی اُمت سے علیحدہ خصوصیت کی حامل ہے۔ انہوں نے شریعت کی بحالی یا اس کی طرف واپسی پر اصرار کیا، جس کا مطلب درحقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ قانون جو ایک اُمت کے لئے موزوں تھا، اُسے تمدنی شکل دے دی جائے۔ وہ اسلام کی عالمگیر صداقتوں اور اُن عوامل میں فرق نہ کر سکے، جو سماجی اور زمانی حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے مذہبی رسوم اور قانون کو مذہب کے ہم معنی سمجھا۔ اس طرح انھیں اسلام کے پیغام کو جو پاک اور اچھے انسانوں کے لئے ہے، سمجھنے میں ناکامی ہوئی۔ ان کی نگاہیں اسلام کے اخلاقی کردار کو نہ پا سکیں۔ انہوں نے اسلام کو ایسا بنا دیا تھا، گویا وہ رسوم و قوانین کے پیچیدہ ضابطوں کا گورکھ دھندا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر نئی چیز کے مخالف ہو گئے۔ کیونکہ اُنہوں نے زندگی اور قانون کو ایک ہی سمجھا۔ انہوں نے وہی سخت گیری بحال رکھنی چاہی بلکہ جدید حالات کے تحت اس میں اور اضافہ ہوتا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس رجحان کا قوم کی ضرورتوں سے شدید تصادم ہوا اور یہیں سے یہ خیال پیدا ہوا کہ اسلام اور جدید تمدن ہم آہنگ نہیں ہیں اور دونوں ساتھ نہیں چل سکتے۔ مغربیت کے شیدائیوں کی یہی سب سے بڑی اُلجھن بھی ہے اور ان کا بنیادی عقیدہ بھی۔

لیکن دوسرا گروہ بھی راہِ صواب سے ہٹا ہوا تھا۔ وہ اسی طرح "فقہیت" کا علم بردار تھا، جس طرح مغرب

لہ گوکلپ نے مذہب اور فقہ کے فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔

پرست مغربیت کے اندھے پرستار تھے ۔تنظیمات کے مغرب پرست رہنماؤں نے اپنی ناقابلِ انکار عظیم خدمات کے باوجود ٹھوکریں کھائیں ۔ کیونکہ ان کے سامنے کوئی تہذیبی خاکہ نہیں تھا ۔ انہوں نے جو کچھ کیا ، اسے کٹھ پتلی کی طرح کرتے رہے ۔ ان کے پیشِ نظر بامعنی مقاصد نہیں تھے ۔ وہ تمدنی فریب میں مبتلا رہے ۔ مثلاً انھوں نے عوام کو یہ سمجھانے کی ناکام کوشش کی کہ عثمانی برادری ایک قوم کی حیثیت رکھتی ہے ۔ ان کا سیاسی نظام جدید جمہوریت پسند اقوام کے سیاسی ڈھانچے سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا ۔ ان کا خیال تھا کہ ایک استبدادی مذہبی نظام جب کسی حد تک مغربیت کے سانچے میں ڈھالا جائے گا تو اس کے اندر جدید تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی ۔ لیکن یہ مقصد تو حاصل نہیں ہوا ۔ البتہ اس نے مغرب کی تمام سطحی باتوں کے داخل ہونے کا پورا موقع فراہم کر دیا اور یہی پہلو غالب ہو گیا ۔

صحیح زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو بہرحال یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مغربیت کا سانچہ نہ صرف ترکی کے قومی کلچر سے مطابقت رکھتا تھا بلکہ اس کی شادابی و عروج کے لئے لازمی بھی تھا ۔ ایک مکمل قومی تہذیب اسی وقت وجود میں آسکتی ہے ، جب اس کے خام مواد میں تمدن کی جدید تکنیک کو استعمال کیا جائے اور اس تمدن کی تخلیق میں بہت سی قوموں نے حصہ لیا ہو ۔ مغربی تمدن اور اسلام میں کوئی تضاد نہیں ہے ۔ اس نے اس خیال کی تردید کی کہ اسلام ایک تمدن ہے اور مغربی تمدن عیسائیت کے مترادف ہے ۔ مغربی تمدن جس میں ثبوتی فلسفے اور عقلیت پسندی کا غلبہ ہے ، سب قوموں کے لئے ہے ۔ چاہے کوئی قوم عیسائی ہو ، مسلمان ہو یا جاپانیوں کی طرح نہ عیسائی ہو نہ مسلمان ۔ تمدن بنیادی طور پر اقدار کی جانچ سے غیر متعلق ہوتا ہے ۔ اس لئے تمدن سیکولر ہے اور یہی اس کا مزاج ہے ۔ اس لئے جدید مغربی تمدن کو قبول کرنے سے ایمان اور قومیت پر کوئی حرف نہیں آتا ۔ اس مسئلہ پر ذہنی انتشار کی وجہ یہ ہے کہ تہذیب کو تمدن سے خلط ملط کر دیا جاتا ہے ۔

بحث کے اس مرحلہ پر ضیا رگوکلپ سے یہ توقع تھی کہ وہ اس دلچسپ سوال کا جواب دے گا کہ ترک قوم کا تہذیبی و مذہبی ورثہ کس حد تک مغربی تمدن سے متاثر اور خود اسے متحرک بنا سکتا تھا ؟ اس دور کے مغرب پرست اس سے قطعی انکار کرتے ہیں مگر اس کی رائے ان کے برعکس ہے ۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ ترک تہذیب نہ صرف یہ کہ اس کے لئے سازگار تھی بلکہ جدید تمدن کے تقاضوں کے لئے معاون بھی ، اس نے حال کے موجودہ عوامی اداروں کو جانچنے کے بجائے مبہم

تاریخ کی طرف رجوع کیا۔ بظاہر اس نے ترک تہذیب کی حقیقی نسلی بنیاد کو دریافت کرنا ضروری سمجھا لیکن چونکہ اس کے دور میں ترکیاتی مطالعہ ابتدائی دور میں تھا، اس میدان میں اس کی لیاقت دوسروں کے مقابلہ میں کم تر درجہ کی تھی اور وہ مواد جو اس نے استعمال کیا، اس میں خامی تھی۔ اس لئے اس کی تحقیقات یا کم از کم اس کے اصول مشتبہ ہو جاتے ہیں۔ پھر بھی گوکلپ کے نتائج بالکل نئے اور اس کے معاصرین کے لئے دلکش ہیں۔ اس نے پوری جرأت کے ساتھ اعلان کیا کہ ترک تہذیب کی بنیادی خصوصیات مشرقی اداروں کے وہ امتیازی اوصاف نہیں ہیں، جو مغربی تمدن کے خلاف سمجھے جاتے اور ترکوں کے ساتھ صدیوں سے وابستہ ہیں۔ مثلاً تعدد ازدواج، پردہ، عورتوں کی کم تر حیثیت، تقدیر پرستی اور ترکِ دنیا۔ نیز مریضانہ مشرقی موسیقی اور خدا سے بو تر کا خوفناک تصوّر ترک تہذیب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ یہ باتیں ترک مسلمانوں پر لادی گئی ہیں۔ خاص طور پر مشرق قریب کی تمدّنی روایات کے ذریعہ، جو فقہ کی کتابوں، مدرسہ کی تعلیم، محلوں اور اس کے ادب میں سرایت کر گئی تھیں۔ لیکن اس نے ترکوں کی مخصوص قومی خصوصیات پر کبھی غلبہ نہیں حاصل کیا۔ ان کا اثر ایک خاص طبقہ پر پڑا، جسے ہم عثمانی متمدن دانش وروں کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

بالکل یہی خصوصیتیں روایتی طور پر اسلام سے منسوب تھیں، لیکن گوکلپ کے نزدیک وہ اسلام کا حقیقی جزو نہیں ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ ان کا کہیں اور سے ربط ہے۔ کچھ عربی عناصر اور دوسرے درجہ پر ایرانی تہذیب شریعت میں داخل ہو چکی تھی۔ جب ایک خاص دور میں ایک مخصوص سماجی گروہ کے تہذیبی عناصر مشترک تمدنی عناصر کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں تو وہ قومی مزاج پر "تنقیدی قدر" بن کر کتاب، قانون اور حکومت کے ذریعہ عائد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایسے عادات و رسوم یا خیالات جو ترک عوام میں موجود ہیں مگر جدید تمدن سے متضاد ہیں، اُن کے متعلق گوکلپ کا خیال ہے کہ وہ مردہ ادارہ کی باقیات ہیں۔ اس لئے انہیں قلع قمع کرنے میں آسانی ہے۔ اس نے مصلحین پر ہمیشہ زور دیا کہ انہیں ان سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کیوں کہ وہ بے کار اور سماجی جسم کے حشو و زوائد میں سے ہیں اور انہیں قومی زندگی کو نقصان پہنچائے بغیر ایک ہی وار میں ختم کر دینا چاہیئے۔ بشرطیکہ قومی زندگی کو تازہ تہذیبی اور تمدنی غذا دی جائے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ضیا گوکلپ کی تعلیمات کے محسوس اثرات کیا تھے ؟

اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قوم اور عوام کو آخری تہذیبی، سیاسی اور معاشی اکائی تصوّر کر کے اس نے ترکی کے لئے قوم، قومی حکومت اور بالآخر جمہوریت کے مقصد تک پہنچنے کی راہ ہموار کی۔ ترکی کو الٰہی نظم حکومت کے تصوّر سے ہٹا کر اس نے ترکوں کو مذہب اور تہذیب و تمدّن کے سیکولر نقطۂ نظر سے آشنا کیا۔ اس نے ترک تہذیب کی بنیاد پر مغربی تمدّن کی تعمیر کی متحرک پالیسی کے لئے زمین ہموار کی۔ اس نے ترکوں کے ماقبل اسلامی عہد سے متعلق تاریخی و عمرانی دلچسپی کا آغاز کیا۔ اور شریعت کے نظریاتی خاکہ میں اسلام کو جس طرح سمجھایا گیا تھا، اس کے برخلاف حقیقی اداروں کے مطالعہ کی ابتدا کی۔ اس نے عوامی تہذیب کی توانائی کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی۔ اگرچہ موجودہ دَور کے ترک اور غیر ملکی عالموں کے مقابلہ میں تاریخ، عوامی گیت اور عمرانیات پر اس کی تحقیقات کم تر درجہ کی ہیں۔ پھر بھی اس اعتبار سے اس کا درجہ اونچا ہے کہ اس نے اس راہ میں سب سے پہلے قدم رکھا۔ موجودہ ترکی میں اس کے کچھ خیالات فراموش کر دیئے گئے ہیں۔ اور چند باتیں جو اس کے زمانے میں نئی تھیں، اب پیش پا افتادہ معلوم ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حقیقت بن گئی ہیں۔ پھر بھی ان سے اس کی گہری بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس لئے ہمارا خیال ہے کہ بحیثیت ایک فلسفی اور ماہر عمرانیات کے اس کے اندر جو بھی خامیاں ہوں، ضیا ترکی کی تاریخ میں ایک بڑے مفکّر کی حیثیت سے زندہ رہے گا۔ ایسا مفکّر جو موجودہ مسائل پر غیر معمولی بصیرت اور روشن مستقبل کا سچا عرفان رکھتا ہو۔

(رسالہ "جامعہ" دہلی

بابت ماہ جنوری ۱۹۶۹ء سے شکریئے کے ساتھ)